"خلافت عثمانیہ" کے دورِ آخر میں ترک - عیسائی تعلقات

[سر شیخ عبدالقادر (۱۸۷۴ء - ۱۹۵۰ء) قانون دان تھے، متعدد سرکاری مناصب پر فائز رہے اور برصغیر کے معروف تعلیمی، علمی اور ادبی اداروں سے وابستہ رہے مگر اُن کی شہرت کا سبب وہ ادبی خدمات ہیں جو اُنھوں نے ماہنامہ "مخزن" (لاہور) کے ذریعے انجام دیں۔ اسی ماہنامے کے ذریعے علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی اور مولانا سیّد سلیمان ندوی کی ابتدائی تخلیقات سامنے آئی تھیں۔

سر شیخ عبدالقادر سے جو انگریزی اور اُردو تحریریں یادگار ہیں، ان میں سے ایک اُن کا سفر نامۂ استانبول "مقامِ خلافت" (لاہور: ۱۹۰۷ء) ہے۔ دیباچے میں لکھتے ہیں۔

> آب و دانہ کی کشش، سیر و سفر کی عادت یا مقامِ خلافت کی زیارت کی دیرینہ آرزو، گزشتہ سال [۱۹۰۶ء] موسم گرما میں مجھے استانبول لے گئی۔ وہاں چند ہفتے نہایت لطف سے گزرے۔ عثمانیوں کی اخوت اسلامی نے غُربت میں وطن کا سماں باندھ دیا۔ دن گزرتے معلوم نہ ہوئے، چار ہفتے ٹھہرنے کے ارادے سے گیا، سات ہفتے رہا۔

سات ہفتوں میں سر شیخ عبدالقادر نے استانبول میں جو کچھ دیکھا، معتبر رہبروں سے سُنا، اسے "مقامِ خلافت" میں یکجا کر دیا۔ یہ سفر نامہ صرف ایک بار شائع ہوا ہے اور اب "النادر کالمعدوم" کے زمرے میں آتا ہے۔ سفر نامے کا ایک باب ترکوں اور عیسائیوں کے تعلقات پر مبنی ہے جو "عالمِ اسلام اور عیسائیت" کے قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ مدیر]

تُرکوں اور عیسائیوں کے تعلقات باہمی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اور تُرکوں کی موجودہ طرزِ معاشرت پر ان تعلقات نے گہرا اثر ڈالا ہے۔ ٹرکی میں دو قسم کے عیسائی نظر آتے ہیں۔ ایک مُلکی ایک غیر مُلکی۔ مُلکی عیسائیوں کا طریقِ بودوباش اور بہت سی اور باتیں اپنے مسلمان ہمسایوں سے ملتی ہیں۔ اوّل تو سب تُرکی زبان بے تکلف بولتے ہیں اور گفتگو میں خالص اسلامی الفاظ بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ان شاء اللہ، ماشاء اللہ، استغفر اللہ۔ اُن کے کھانے پینے میں بھی وہی تُرکی مذاق موجود ہے۔ سالن بھی تُرکی طریقے پر پکاتے ہیں۔ دُودھ، دہی، فیرینی وغیرہ ان سب چیزوں کے اپنے تُرک ہمسایوں کی طرح شایق ہیں۔ تُرکی مٹھائی جو یورپ میں "ٹرکش ڈیلائیٹ" یعنی "فرحت تُرکی" کے نام

سے مشہور ہے۔ ترکوں اور عیسائیوں دونوں میں مقبول ہے۔ رسٹوران میں اگر دو چار ترک نارگیلہ پیتے نظر آتے ہیں، تو دو چار عیسائی بھی اس کا شوق کر رہے ہیں۔ ایسے رسٹوران وہاں بکثرت ہیں جن کے مالک اور مہتمم عیسائی ہیں، مگر مسلمان اُن میں کھانا کھاتے ہیں اور عیسائی بھی وہیں آتے اور اُنہی میزوں پر اُنہی برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ عیسائی دوکاندار اپنے مسلمان گاہکوں کی خاطر سے لحم الخنزیر سے اور غیر مذبوح گوشت سے پرہیز کرتے ہیں اور اُسے اپنی دوکان میں نہیں رکھتے اور اس لیے عیسائی اور مسلمان دونوں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر ان مقامات میں ملتے جُلتے ہیں۔ اس کے علاوہ تفریحی مشغلے بیشتر مشترک ہیں۔ ناٹک وغیرہ کے تماشے عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں، مگر وہ کھیل ترکی میں کرتے ہیں اور تماشائیوں میں مسلمان شامل ہوتے ہیں اور عیسائی بھی۔ تماشے میں پارٹ کرنے والی عورتیں سب عیسائی ہوتی ہیں۔ کوئی مسلمان عورت پارٹ نہیں کرتی، مگر یہ عیسائی عورتیں زبان دانی میں ترکی عورتوں کی مدِّمقابل ہوتی ہیں اور عثمانی مستورات کی زندگی کی تصویر خوب اُتار سکتی ہیں۔

غیر ملکی عیسائی بھی ترکی کے دارالخلافہ میں بکثرت رہتے ہیں۔ کچھ تجارتی ضرورتوں سے، کچھ تعلیمی اورمذہبی کاموں کے لیے اور کچھ سیاسی معاملات کے متعلق۔ ان کی عادات میں اور ترکوں کی عادات میں بہت سا فرق ہے۔ مگر ان عیسائیوں کے ساتھ بھی استانبول میں عثمانیوں کی خاصی نبھتی ہے۔ تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اور یہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ترک اور عیسائی دونوں اس کوشش میں رہتے ہیں کہ باہمی میل جول باسانی جاری رہے۔ ایک طرف تو ترکوں نے ان لوگوں کو بہت سی رعائتیں دے رکھی ہیں۔ اور دُوسری طرف یہ لوگ بھی کسی قدر اپنا مزاج یہاں آکر بدل لیتے ہیں۔ فرانسیسی طبیعت تو سیّال ہی ہے۔ ہر سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ مگر لُطف یہ ہے کہ جرمن اور انگریز بھی استانبول میں ذرا نرم ہوجاتے ہیں۔ انگریزوں کی نسبت یورپ میں ایک مثل مشہور ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی اکڑکی یہ حالت ہے کہ جہاں ان کی حکومت نہ بھی ہو وہاں بھی یُوں اکڑ کے چلتے ہیں جیسے ساری دُنیا ان کے زیر نگین ہے۔ مگر میں نے دیکھا کہ استانبول میں یہ کیفیت نہیں۔ بازاروں اور سڑکوں پر چلنے پھرنے میں جو مساوات حاکم و محکوم، مسافر و مقیم میں یورپ کے بڑے شہروں میں نظر آتی ہے۔ وہی نظارہ استانبول کے بازاروں، گلی کوچوں اور پُلوں پر نظر آتا ہے۔ غریب امیر، مسلمان، عیسائی، یہودی اور گبر سب ایک دوسرے کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اور کوئی دوسرے سے تعرض نہیں کرتا۔ انگریز، جرمن اور فرانسیسی وہاں یہ توقع نہیں رکھتے کہ کوئی اُن کے لیے راستہ چھوڑے اور نہ کسی کو نا ملائم الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ اور ترک بھی اُن پر کسی قسم کا تحکم نہیں کرتے۔ اور یہ دستور ترکوں میں کچھ اب سے نہیں کہ کوئی سمجھے کہ ترک سیاسی کمزوری سے نرم ہوگئے۔ بلکہ اس بارے میں وہ ہمیشہ معقول اور آزاد خیال رہے ہیں۔ اور اپنے اقتدار کے زمانے میں انھوں نے بڑی بڑی رعائتیں عیسائیوں سے کی ہیں۔

ملکی عیسائیوں سے جو رعائتیں ترکوں نے کی ہیں۔ اُن میں سب سے اوّل مذہبی آزادی ہے۔ اور وہ بھی ایسے وقت میں جب دُنیا میں بہت کم ایسے حصے تھے جہاں یہ خیال موجود تھا۔ ارمنی اور یونانی دونوں گرجے اُس زمانے سے آج تک بالکل آزاد اور اپنے اندرونی انتظام میں خود مختار چلے آتے ہیں اور اُن کے باہمی تنازعات جب ناگوار صورت اختیار کرنے لگتے ہیں تو اُس وقت ترکوں کا زبردست ہاتھ ان کے درمیان آ کر بیچ بچاؤ کرتا اور انہیں خونریزی سے روکتا ہے۔ ان دونوں فریقوں کے بڑے بڑے قسیس اور رہنما اب تک انعامات، تمغے اور جاگیریں پاتے ہیں۔ دوسری رعایت جو اُن کے ساتھ کی گئی، یہ تھی کہ صیغہ فوج کے سوا باقی سب صیغوں میں انہیں ترکوں کے برابر حقوق دیے گئے جس کا نتیجہ ہے کہ اس وقت بہت سے مناصبِ جلیلہ پر عیسائی ممتاز ہیں۔ ٹرکی کے سفیر اور قونصل بہت سے عیسائی ہیں اور بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں۔ اور اُن پر اسی طرح اعتبار اور اعتماد کیا جاتا ہے جیسے کسی ترک پر کیا جاتا۔ علوم و فنون کے مکاتب میں اور تمام اُن خیراتی کارخانوں میں جو سلطنت کی طرف سے قائم ہیں، عیسائیوں کے حقوق کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ کئی باتوں میں عیسائی بمقابلہ تُرکوں کے آرام میں ہیں۔ اور اُن کے امور میں اس قسم کی مداخلت نہیں ہوتی جیسے تُرکوں کے معاملات میں۔ مثال کے طور پر تعلیم کو لیجیے۔ تُرکوں کی تعلیم مکاتبِ سرکاری میں اُن قواعد کی پابندی سے ہوتی ہے جو اس بارے میں نافذ ہیں۔ اور اُن کے چند قیود موجود ہیں کہ فلاں علوم پڑھیں اور فلاں علوم نہ پڑھیں۔ خاص کر سب ایسی کتابیں اور مضامین جن سے لوگوں کے مذہبی، تمدّنی یا سیاسی خیالات میں آزادی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، نصاب درسی سے خارج ہیں۔ برعکس اس کے عیسائیوں کے مدرسے میں کوئی اس قسم کی قید نہیں لگائی گئی۔ چنانچہ متعدّد مدارس عیسائی بچوں کے لیے استانبول میں ہیں۔ جہاں ہر قسم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس حکمت عملی کی وجہ کچھ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اور اس کا نتیجہ ملک کے حق میں بظاہر مضر ہو رہا ہے۔ ایک طرف عیسائی رعایا کی آئندہ نسل نہایت آزادانہ خیالات کی تعلیم حاصل کر رہی ہے اور دوسری طرف ترکوں کی فطرتی آزادی بھی مٹائی جا رہی ہے۔ ان تعلیم گاہوں میں جو عیسائیوں نے ملک کے عیسائی بچوں کے لیے قائم کی ہیں۔ سب سے بڑی تعلیم گاہ رابرٹ کالج ہے۔ اور یہ کالج کئی وجوہ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جس پہاڑی پر سلطان محمد فاتح کی مشہور یادگار رُوم ایلی حصار کے کھنڈر ہیں۔ اُس پہاڑی کی چوٹی پر قلعہ سے ذرا اوپر اس کالج کی رفیع عمارت اور اس کے ساتھ ایک وسیع میدان ہے۔ امریکہ کے ایک دولتمند رابرٹ نامی کی فیاضی سے یہ کالج قائم ہوا ہے۔ اور اس کا منشا ممالکِ عثمانی کے عیسائی نوجوانوں کی تعلیم ہے۔ اس کے ساتھ ایک عالیشان بورڈنگ ہوس بنا ہے۔ اور اس میں قریب چار سو طالب علم رہتے ہیں۔ جن میں بہت سے رعایائے عثمانی ہیں اور کچھ طالب علم گرد و نواح کی ریاستوں سے بھی آئے ہوئے ہیں۔ یہ سب انگریزی پڑھتے ہیں اور دیگر السنہ یورپ بھی حسبِ پسند سیکھتے ہیں۔ علوم و فنونِ جدیدہ میں اکثر کا درس یہاں دیا جاتا ہے۔ مگر سب سے بڑی بات یہ

ہے کہ یہ طلبہ سیاسی جنگ کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔ میں نے اس کالج کا کتب خانہ دیکھا۔ اس میں دُنیا بھر کا رولیوشنری لٹریچر ہے۔ یعنی وہ کتابیں جو مختلف ممالک کے حصولِ آزادی کی داستانیں بیان کرتی ہیں اور یہ سکھاتی ہیں کہ فلاں زبردست سلطنت کس طرح اکھیڑ کر پھینک دی گئی۔ اور اس کالج کے طلبہ عموماً اپنا مقصد زندگی یہ سمجھتے ہیں کہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر وہ اپنی ہمت عیسائی اقوامِ شرق کو مطلق العنان کرنے میں صرف کریں گے اور اس کالج والے علانیہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بلغاریوں کو جن لوگوں کی ہمت سے آزادی حاصل ہوئی ہے۔ وہ یہیں کے تعلیم یافتہ تھے اور اب جو نئے لوگ پیدا ہوں گے وہ باقی ماندہ اقوام کو ترکوں کی حکومت سے نکالیں گے۔ یہ کالج کوئی چالیس سال سے جاری ہے۔ جب یہ قائم ہوا، اُس وقت فرمانِ سلطانی سے اس کے بنانے کی اجازت دی گئی تھی اور اس کے لیے زمین عطا ہوئی تھی۔ اس بے تعصبانہ روش کا اب یہ انعام مل رہا ہے کہ اس کالج کی تعلیم کا خاص منشا عثمانیوں کی مخالفت ہے۔ مگر حکومت عثمانیوں کی طرف سے عیسائیوں کے حق میں نرمی کا برتاؤ برابر جاری ہے۔